اداریہ

# ایک مرد صالح اور علم کا چمکتا ہوا ستارہ

عبدالمالک مجاہد الریاض

10 جنوری 2001ء بدھ کی شام چھ بجے عالم اسلام ایک محدث، ایک فقیہہ، ایک بہت بڑے عالم دین، ایک مربی اور ایک خطیب سے محروم ہوگیا ہے۔ امت اسلامیہ ابھی شیخ عبدالعزیز بن باز، شیخ محمد الغزالی، شیخ محمد متولی الشعراوی، شیخ علی الطنطاوی، علامہ ناصرالدین البانی، شیخ عبدالرحمٰن بن قاسم، حافظ عبدالقادر روپڑی اور شیخ ابوالحسن ندوی کا صدمہ بھولنے نہیں پائی تھی کہ علامہ محمد بن صالح العثیمین اس دار فانی سے دارالبقاء کی طرف کوچ فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ روئے زمین پر ہر ذی روح نے موت کو گلے لگانا ہے اور اس کا انجام کار آخر موت ہے۔ مگر علمائے ربانی کی وفات سے جو خلا پیدا ہوتا ہے وہ بڑی مشکل سے پر ہوتا ہے۔ شیخ محمد عثیمین جیسی شخصیات روز روز پیدا نہیں ہوتیں۔ ان جیسے علماء حقیقت میں اپنے علم، نیکی وتقویٰ زہد اور دین، پڑھنے پڑھانے اور لوگوں کی خدمت کرنے کی بدولت چمکتے دمکتے ستارے ہوتے ہیں۔ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود ؓ کے ایک قول کا مفہوم یہ ہے کہ کسی عالم دین کی موت سے اسلام میں ایک ایسا خلا یا شگاف پیدا ہوجاتا ہے۔ جس کو کوئی چیز پر نہیں کرسکتی خواہ دنیا کے خاتمہ میں کتنی زیادہ مدت باقی کیوں نہ ہو۔

بخاری اور مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ علماء سے ایک ہی دفعہ علم نہیں چھین لیتا بلکہ علماء کی وفات کے ذریعہ آہستہ آہستہ علم اٹھالیتا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ موت العالِم موت العالَم۔

علامہ محمد بن صالح عثیمین سے ملاقات کا شرف متعدد بار حاصل ہوا۔ کئی بار حرم شریف میں ان کے دروس سنے، عنیزہ کی جامعہ مسجد جس میں شیخ صاحب نے ساری زندگی امامت اور خطابت فرمائی وہاں جمعہ پڑھنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ ان کی کتب کو شائع کرنے اور بعض مقالات کا ترجمہ کرنے کا موقع ملا۔ ان سے ہر مرتبہ کی ملاقات اور درس سے ہر شخص استفادہ کرتا تھا۔ ساری زندگی قال اللہ وقال الرسول پڑھتے پڑھاتے گزر گئی۔ بے شمار شاگرد چھوڑے جو دنیا کے مختلف کونوں میں اسلام کی تعلیمات کو عام کررہے ہیں۔

شیخ کا پورا نام ابوعبداللہ محمد بن صالح بن محمد عثیمین الوھیبی التمیمی ہے۔ آپ 27 رمضان المبارک 1347 بمطابق 1927ء کو قصیم کے مردم خیز قصبے عنیزہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں انہوں نے اپنے نانا عبدالرحمٰن بن سلیمان آل دامغ ؒ سے قرآن پڑھا اور محض 6 ماہ کی مدت میں ایک نابینا استاذ علی بن عبداللہ الشحستان سے اسے اپنے سینے میں محفوظ کرلیا۔ پھر علم حاصل کرنا شروع کیا۔ ان کے پہلے استاد شیخ عبدالرحمٰن السعدی تھے۔ جو اپنے وقت کے بہت بڑے خطیب، عالم دین اور مفسر قرآن تھے۔ اور عنیزہ کی اسی مسجد میں خطیب اور امام تھے جہاں شیخ محمد عثیمین نے ساری زندگی درس وتدریس کی۔ شیخ سعدی نے اپنی مدد کیلئے دو اساتذہ کو مسجد میں چھوٹے بچوں کو پڑھانے پر مامور کیا۔ ان میں ایک تو شیخ علی بن حمد الصالحی ؒ تھے۔ (راقم کو ان سے ملنے، ان کے پاس بیٹھنے اور ان سے استفادے کا موقع ملا ہے بلکہ ان کی کتب بھی شائع کیں، بڑے متقی اور صالح عالم دین تھے۔) اور دوسرے شیخ محمد بن عبدالعزیز ی المطوع تھے۔ آپ نے ان دونوں سے چھوٹی چھوٹی کتابیں پڑھیں اور پھر شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی سے توحید، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، صرف، نحو، اور اصول حدیث کی کتب پڑھیں۔ ہونہار شاگرد سے استاد کو بھی خوب پیار اور محبت تھی۔ اور استاد کو اس بات کا یقین تھا کہ ایک دن ان کا شاگرد بڑا عالم دین بنے گا۔ چنانچہ جب ان کے والد صالح عثیمین عنیزہ سے ریاض منتقل ہونے لگے تو اپنے بیٹے محمد کو بھی ساتھ لے جانا چاہا تو شیخ عبدالرحمٰن سعدی ؒ نے ان کو خط لکھا کہ ہم محمد کو ریاض جانے کی اجازت نہیں دیتے ہم چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے پاس رہے اور ہم سے استفادہ کرے۔ چنانچہ وہ ان کے پاس ہی رہے اور ان کے طریقہ علم سے بھی خوب استفادہ کیا۔

شیخ محمد بن صالح عثیمین کے دروس کے حلقوں میں جن لوگوں کو شمولیت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ انہوں نے دیکھا ہوگا کہ ان کا پڑھانے کا طریقہ بڑا منفرد اور پیارا تھا۔ دوران درس ہی وہ شاگردوں یا سامعین سے سوال جواب شروع کردیتے۔ بعض اوقات حلقہ درس کے آخر پر بیٹھے ہوئے شیخ کی طرف اچانک اشارہ کیا یا اس کو مخاطب کرکے درس کے متعلق سوال کردیا۔ اس طرح سامعین پوری توجہ سے درس میں شرکت کرتے۔ شاگرد اور استاد کے درمیان فاصلہ کم ہوجاتا اور ایک مشفق باپ اور بیٹے کا تعلق پیدا ہوجاتا۔ یہ سب کچھ غالباً اپنے نامور استاد کی تربیت کا نتیجہ تھا۔

شیخ ابن عثیمین کے دوسرے بڑے استاد علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

تھے۔جن سے انہوں نے صحیح بخاری اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتب پڑھیں۔شیخ فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنے استاذ شیخ ابن باز سے دو وجوہات کی بنا پر بہت زیادہ متاثر تھے ایک تو ان کا حدیث رسول اللہ ﷺ سے شغف، تعلق اور محبت اور دوسرا ان کے اخلاق حسنہ، سادگی اور عام لوگوں کے کام آنا اور ان سے تعلق اور واسطہ۔

1952ء میں ریاض میں معہد العلمی کا افتتاح ہوا تو ان کے استاد شیخ علی حمد صالحی نے مشورہ دیا کہ وہاں سے علم حاصل کرو۔چنانچہ ان کے مشورے کے بعد اپنے استاد شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدیؒ سے اجازت طلب کی، اور ان کی اجازت سے دو سال تک وہاں تعلیم حاصل کی۔تعلیم کے دوران حالت یہ تھی کے اگلے درجہ کے امتحانات دیتے تھے اور عام طلبہ سے ہٹ کر آگے بڑھتے رہے۔پھر واپس عنیزہ آ گئے۔اور وہاں پر معہد علمی میں استاد مقرر ہو گئے۔اور اپنے استاد شیخ سعدی سے مزید علم حاصل کرتے رہے۔

1951ء سے ہی مختلف مساجد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔عنیزہ کی جامع مسجد میں پہلا جمعہ 2 رجب 1376ء بمطابق 1956ء کو پڑھایا۔اور عنیزہ میں آخری نماز استسقاء (بارش طلب کرنے کی نماز) تھی جو 3 شعبان 1421 کو عیدگاہ میں پڑھائی۔

ان کو شاہ فیصل ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔اس کی وجوہات مندرجہ ذیل تھیں۔

ا۔نمایاں فضل اور اخلاق حسنہ سے متصف ہوں، ان میں نمایاں اوصاف یہ ہیں: تقویٰ، زہد، وسعت قلبی، سچ بات کہنا، مسلمانوں کی مصلحت کیلئے سعی پیہم، اور خاص و عام کی خیر خواہی۔

۲۔بے شمار افراد کا آپ کے علم، دروس، فتاوے اور تالیفات سے مستفید ہونا، آپ کا عنیزہ کی جامع مسجد میں 45 سال سے عقیدہ، فقہ اور عربی زبان میں درس و تدریس کی خدمات انجام دینا، اس کے علاوہ سرکاری تعلیمی اداروں خصوصاً قصیم کے شریعت کالج میں آپ کی تدریسی سرگرمیاں۔

ا۔وفورِ علم، دلیل فقہی کی تلاش اور اس کا ضبط، اور مسائل کو تحریر کرنے کا بہترین اسلوب۔

ب۔دنیا سے بیگانگی، حق پر ثابت قدمی، کوئی مصیبت یا لالچ آپ کے پایہ استقامت کو متزلزل نہیں کر سکتا تھا، بلند و بالا پہاڑ کی مانند ثابت قدم۔

ت۔آپ ہمیشہ مسلمان حکام کی اطاعت کی تاکید کرتے تھے، اور ان کے خلاف خروج کے جو دینی اور دنیوی بھیانک خطرات ہیں ان سے بچنے کی ترغیب دیتے تھے۔

ث۔آپ کو علم کی نشر و اشاعت کا نہایت شغف تھا، اور مسجد میں طلبہ کو درس دینے کا سلسلہ جاری رہتا۔

طالب علموں سے محبت و پیار اور ان سے خصوصی شغف، جس کی وجہ سے بے شمار طلبہ اندرون اور بیرون مملکت سے آپ کے حلقہ درس میں شمولیت کیلئے کھنچے چلے آتے تھے۔

۳۔مملکت کے مختلف شہروں میں اور مراکز میں اپ کے نفع بخش لیکچرز کا انعقاد، جن کا عوام کی دینی رہنمائی میں خاص کر نوجوان نسل پر بڑا اچھا پڑا۔

۴۔آپ کی بڑی بڑی اسلام کانفرنسوں میں نفع بخش شرکت، جیسے پیغام مسجد کی کانفرنس، دعوت و دعاۃ کی کانفرنس، فقہ اسلامی کی کانفرنس، اور منشیات کے سدباب کی کانفرنس۔

۵۔دعوت الی اللہ میں آپ کا منفرد اور دلکش اسلوب کو اپنانا، اور سلف کے منہج اور فکر و سلوک کا زندہ نمونہ پیش کرنا۔

آپ تقویٰ اور صالحیت اور زہد و ورع میں ایک بلند و بالا نمونہ تھے، اور سنت رسول کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے، حضرت علی ﷺ کے فرمان کا مفہوم ہے:

کہ کسی عالم کی موت سے اسلام میں ایک ایسا خلا یا شگاف پیدا ہو جاتا ہے جس کو کوئی چیز بھی پر نہیں کر سکتی۔چاہے دنیا کے کتنے ہی دن باقی ہوں۔سعید بن جبیر سے پوچھا گیا کہ لوگوں کی ہلاکت کی کیا علامت ہے، تو انہوں نے کہا کہ جب ان کے علماء ہلاک ہو جائیں۔(تو یہ ان کی ہلاکت کی علامت ہے۔)

انہوں نے کم و بیش 45 سال تک لوگوں کو دین سکھایا اور پڑھایا۔وہ آخر دم تک الامام محمد بن سعود اسلامیہ یونیورسٹی قصیم میں بطور پروفیسر پڑھاتے تھے۔وہ سعودی عرب کے کبار علماء کرام کی کمیٹی کے رکن تھے۔طلبہ سے بڑی محبت اور شفقت فرماتے۔مجھے ان کے اس گھر کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے جو مٹی کا بنا ہوا تھا اور اسی گھر میں شاہ خالد بن عبدالعزیز تشریف لاتے۔انہوں نے گھر کیلئے بڑی رقم کی پیش کش کی، مگر انہوں نے شاہ خالد کو تجویز دی کہ میرے بجائے طلباء کے لئے عمارت بنا دیں تا کہ وہاں طلبہ قیام کر سکیں۔چنانچہ شاہ خالد کے حکم سے جامع مسجد کو وسیع کیا گیا اور طلبہ کیلئے عمارت بھی قائم کر دی گئی۔

ان کے پاس مختلف ممالک سے طلبہ پڑھنے کیلئے آتے اور ان سے علم حاصل کرتے اور یہ سلسلہ سارا سال جاری رہتا۔

گذشتہ چار سال سے انہوں نے گرمیوں کی چھٹیوں میں طلبہ کو 5 ہفتوں کا کورس کرواتے تھے۔چنانچہ گذشتہ سال 500 سے زائد طلبہ اور 60 سے زائد عورتوں اور لڑکیوں نے اس خصوصی کورس میں شرکت کی۔یہ طلبہ دنیا کے مختلف ممالک سے تعلق رکھتے تھے۔ان کی رہائش اور کھانے پینے کے اخراجات سبھی شیخ رحمہ اللہ کے سپرد تھے۔

## شیخ کی تالیفات:

شیخ نے وفات سے قبل کم و بیش 42 کے قریب کتب اور رسائل ترتیب دیئے۔انہوں نے سب سے پہلے 1960 میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی کتاب کی تلخیص کی جو عقیدہ توحید کے متعلق تھی اور امام ابن تیمیہ نے شام کے شہر حماہ کے لوگوں کے مطالبہ پر لکھی تھی۔ان کی کتابیں بے شمار اداروں سے شائع ہوئیں اور ان کے تراجم مختلف زبانوں میں کئے گئے۔انہوں نے زندگی بھر بے شمار کانفرنسوں اور تقریبات میں شرکت فرمائی اور قرآن و حدیث کی روشنی میں مسائل بیان کئے۔

ایک ایک دن میں متعدد مساجد اور اداروں میں تشریف لے جاتے اور وہاں لوگوں سے خطاب فرماتے۔

ان کے حلقہ درس میں طلبہ کا جم غفیر ہوتا۔ مسجدیں بھر جاتیں، خواص وعوام تقریر سنتے اور استفادے کیلئے جمع ہوتے۔ لوگ شیخ ابن باز کے بعد انہی کے فتاویٰ کو مانتے اور قبول کرتے تھے۔ ریڈیو سے ان کے فتاوٰے پر مبنی پروگرام نور علی الدرب ایک مدت سے نشر ہو رہا ہے۔ ان کی کتب کے علاوہ پوری دنیا میں ان کے کیسٹ پھیلے ہوئے ہیں جن سے لوگ استفادہ کرتے ہیں۔

ان کے فتاویٰ کی اب تک کم وبیش **18** مجلدات شائع ہو چکی ہیں۔ کیسٹوں سے بہت ساری کتابیں اور رسائل تیار ہو کر مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔ ایک مدت پہلے انہوں نے مختلف ممالک میں ٹیلی فونک خطاب کا سلسلہ شروع کیا۔ چنانچہ راقم نے خود امریکہ، برطانیہ اور پاکستان سمیت مختلف ممالک میں لوگوں سے ان خطابات کی شہرت اور چرچا سنا۔

ان کے استاد علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز نے **1402** ہجری میں حکم دیا کہ وہ بیت اللہ شریف میں رمضان المبارک اور ایام حج میں درس دیا کریں۔ چنانچہ **21** رمضان **1402** کو بیت اللہ کے صحن میں انہوں نے کعبہ کے دروازے کی طرف منہ کر کے اپنے درس کا آغاز کیا۔ یہ دروس اتنے مقبول ہوئے کہ بعض خوش نصیب مستقل ان دروس سے فائدہ اٹھاتے پھر کثرت تعداد کی وجہ سے یہ درس بیت اللہ کی دوسری منزل پر منتقل ہو گئے۔ صبح دس بجے درس شروع ہوتا، ظہر کی اذان تک جاری رہتا۔ دوسرا درس تراویح کے بعد شروع ہوتا۔ عصر کی نماز کے بعد خواص کی مجلس ہوتی لوگ فون پر مسائل پوچھتے۔ خط وکتابت کے ذریعے سوالات ہوتے اور یوں اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پوری دنیا تک پھیلنے کی مساعی آدھی صدی تک جاری رہی۔

گذشتہ صدی اس لحاظ سے ممتاز اور ممیز تھی کہ اس دور میں خالص کتاب وسنت پر مبنی دعوت کو فروغ ہوا۔ علمائے کرام نے تحقیق کر کے اصل اسلام کی صورت واضح کی۔ لوگ قیل وقال کی دنیا سے نکلے اور شخصی تقلید کی بجائے قرآن وسنت کو بالادستی حاصل ہوئی۔

شیخ عبدالعزیز بن باز ہوں یا شیخ محمد ناصر الدین البانی یا شیخ محمد صالح العثیمین، ان سبھی علماء نے قرآن وسنت کے مطابق فتاویٰ دیئے۔ لوگوں کو شرک وبدعت سے روکا اور اس کے خلاف اپنی توانائیاں صرف کیں۔ انہوں نے اپنی کتابوں اور تقاریر کے ذریعے لوگوں کو اپنے تمام مسائل میں قرآن پاک اور سنت رسول اللہ ﷺ سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔ مدینہ یونیورسٹی سے ان علماء کے جو شاگرد فارغ ہوئے انہوں نے پوری دنیا میں دعوت سلفیہ کی نشاۃ ثانیہ کا کام کیا۔ اور گھر گھر اس دعوت کو پہنچانے کا بندوبست کیا۔

سعودی عرب کی حکومت نے عقیدہ توحید کی آبیاری کے لئے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ علمائے کرام کی عزت وتوقیر کا یہ عالم کہ خود بادشاہ، ولی عہد، شہزادے، اور وزراء کرام علماء کے گھر تشریف لے جاتے ہیں، ان کی باتیں سنتے ہیں، ان سے مشورے لیتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ شیخ عثیمین بیمار ہوئے تو ولی عہد نے خصوصی طیارے کے ذریعہ علاج کیلئے امریکا بھیجا۔ شیخ نے پس وپیش کیا مگر اصرار کر کے امریکا بھجوایا۔ وہاں ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود جاتے ہی جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمایا اور اکثر وقت درس وتدریس میں گذار دیا۔

ریاض کے کنگ فیصل ہاسپٹل میں علاج شروع ہوا۔ رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو شیخ نے مکہ مکرمہ جانے پر اصرار کیا۔ باوجود بیماری اور نقاہت کے باب عمرہ پر دوسری منزل پر خصوصی کمرہ کا بندوبست ہوا اور پھر وہاں سے پورے حرم میں آپ کی آواز میں فتاویٰ اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ **29** رمضان المبارک کو صحت زیادہ خراب ہو گئی اور آپ کو جدہ کے کنگ فیصل ہاسپٹل میں منتقل کر دیا گیا۔

ان کے آخری وقت کے رفیق سلیمان بن عبدالرحمٰن البطی کے مطابق آخری وصیت یہ تھی کہ قرآن کریم پر غور وفکر کریں۔ اس کی تفسیر کو سیکھیں، اسلام کو مشرق ومغرب اور شمال سے جنوب تک پہنچا دیں۔ اور اس کے لئے سارے وسائل استعمال کریں۔

علمائے کرام کی صف میں یہ چوٹی کا عالم اتنا متواضع اور نرم خو تھا کہ لباس ان کا نہایت سادہ ہوتا۔ عام آدمی کی دعوت کرتے اور اس کے گھر چلے جاتے۔ شکل وصورت سے بالکل معلوم نہ ہوتا تھا کہ اتنی بڑی شخصیت ہیں۔ وہ بلاشبہ سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ ان کی راتیں رب کی بارگاہ میں عبادت میں گذرتیں۔ بے شمار لوگ اپنی حاجتیں اور طلب لے کر آتے، کسی کیلئے فون، کسی کیلئے سفارشی خط، کسی کی مالی امداد، کسی کو مشورہ، کسی کو فتویٰ۔ ان کی شخصیت بلاشبہ بڑی مقبول اور محبوب تھی۔ وہ عوام وخواص کے دلوں میں بستے تھے، فتاویٰ دینے میں جلد بازی سے کام نہ لیتے۔ کتنے ہی سوالوں کے بارے میں فرماتے، مجھے علم نہیں، جب تک شیخ ابن باز زندہ رہے بہت سارے مسائل کے لئے ان سے رجوع فرماتے

بلاشبہ ان کی شخصیت اللہ کے رسول کی اس حدیث کے مصداق تھی کہ جب آدمی فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ مگر تین چیزیں مرنے کے بعد بھی اجر وثواب کا باعث رہتی ہیں۔ صدقہ جاریہ، یا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔ یا نیک اولاد جو اس کیلئے دعائے مغفرت فرمائے۔ ان کے کتنے اعمال ہیں جو صدقہ جاریہ کے ضمن میں ہیں۔ کتنی مساجد کتنے مدارس کتنے داعی کتنے طالب علم کتنی کتب کتنی کیسٹیں ہیں جن سے امت مسلمہ فائدہ اٹھا رہی ہے۔

شیخ نے بیوہ کے علاوہ چار بیٹے اور دو بیٹیاں اور بے شمار شاگرد سوگوار چھوڑے ہیں ان کی وفات سے دل صدمہ سے دوچار ہے۔ اے ابوعبداللہ ہم آپ کی جدائی سے نہایت رنجیدہ ہیں مگر اپنی زبان سے وہی بات نکالیں گے جو ہمارے رب کو پسند ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین ٭